# 69

# روحانی کمالات حاصل کرنے کا گر

(فرمودہ ۲۰ جون ۱۹۲۴ء)

تشہد و تعوذ ' سورۂ فاتحہ اور آیت **قل ان صلوٰتی و نسکی و محیای و مماتی للہ رب العلمین** (الانعام ۱۶۳) کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا :

قرآن کریم کے الفاظ نہایت مختصر ہیں۔ لیکن ان کے مطالب نہایت وسیع ہیں۔ اور واقع میں ایک ایسی کتاب جس کا یہ دعویٰ ہو کہ وہ تمام اخلاقی و تمدنی اور روحانی ضروریات کا ذکر کرے گی۔ وہ یا تو اتنی بڑی ہونی چاہیئے کہ اس کے پڑھنے کے لئے بڑی لمبی عمر کی ضرورت ہو یا پھر ایسی تدبیر اختیار کی جائے کہ نہایت مختصر الفاظ میں وسیع معانی بیان کئے جائیں اور اس کی ترتیب ایسی اعلیٰ درجہ کی ہو کہ الفاظ پر غور کرنے سے نہایت وسیع مطالب نکلیں اب اگر ان تمام ضروریات اور حالات کو جو ۱۳۰۰ سو سال میں پیش آئے۔ اور آئندہ پیش آئیں گے مفصل طور پر قرآن کریم میں بیان کیا جاتا۔ تو ہزاروں بڑی بڑی ضخیم جلدوں میں قرآن کریم ہوتا اور اتنی ضخیم کتاب کو پڑھنے کے لئے موجودہ انسانی زندگی کافی نہ ہوتی یہی وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے قرآن کریم کے متعلق یہ صورت اختیار کرنے کی بجائے دوسری صورت رکھی ہے کہ الفاظ نہایت مختصر ہوں لیکن نہایت وسیع معانی اور مطالب کے حامل ہوں پس قرآن کریم کو ایسی طرز پر بیان کیا گیا ہے کہ اس کے وسیع مطالب اور معانی کو نہایت مختصر الفاظ میں بند کر دیا گیا ہے جیسا کہ اہل یورپ بعض غذاؤں کا تھوڑی سی مقدار میں اثر نکال لیتے ہیں وہ تو مادی اشیاء کا خلاصہ ہوتا ہے اور یہ میں نے بطور مثال بیان کیا ہے ورنہ اسے اس خلاصہ سے کوئی نسبت ہی نہیں ہے جو خدا تعالیٰ نے حقائق اور معارف کا قرآن کریم کے الفاظ میں رکھ دیا ہے یہ آیت جو میں نے پڑھی ہے اس میں کل ۱۲ - الفاظ ہیں۔ لیکن اس کے مطالب اتنے وسیع ہیں کہ ان پر ایک مبسوط کتاب لکھی جا سکتی ہے۔ میں ان میں سے آج صرف ایک مطلب کی

تشریح کروں گا۔

صلوٰۃ عربی زبان میں دعا کو کہتے ہیں۔ اور دعا مانگنے اور طلب کرنے کو کہتے ہیں۔ اس لئے صلوٰتی کے معنے ہوئے میرا مانگنا اور مانگنا کوئی اسی وقت ہے۔ جب اسے کسی چیز کی کمی ہوتی ہے۔ مثلاً اگر ایک شخص کھانا مانگتا ہے۔ تو اس لئے کہ اس کے پاس کھانا نہیں ہوتا۔ اور وہ کھانے کا محتاج ہوتا ہے یا اگر کوئی کپڑا مانگتا ہے تو اس لئے کہ وہ کپڑے کا محتاج ہوتا ہے پس دعا نام ہے اپنی احتیاج اور ضرورت کے پورا ہونے کے لئے درخواست کرنے کا اور جب کوئی انسان اس آیت کا لفظ صلوٰتی کہتا ہے تو اس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ میری ہر قسم کی عبادتیں جو مانگنے کے لئے کی جاتی ہیں اور روحانی ضروریات کے پورا کرنے کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں۔ وہ خدا ہی کے لئے ہیں۔ میری تمام روحانی ضروریات پوری کی جائیں۔ تو اس لفظ میں اس حصہ عبادت کا ذکر کیا گیا ہے۔ جس میں انسان کچھ طلب کرتا ہے۔

پھر اس کے بعد **نسکی** فرمایا ہے۔ نسک ان عبادات کو کہتے ہیں۔ جن میں انسان خدا تعالیٰ سے کچھ مانگنے کی بجائے اس کے حضور کچھ پیش کرتا ہے **نسکی** کہہ کر بندہ یہ کہتا ہے کہ اے خدا میں تیرے لئے ہر قسم کی قربانی کرنے کے لئے تیار ہوں۔ پس **ان صلوٰتی و نسکی** کے یہ معنے ہوئے کہ یہ الفاظ کہنے والا خدا تعالیٰ کے حضور کہتا ہے کہ تمام عبادتیں جن میں میں کچھ مانگتا ہوں یا وہ تمام عبادتیں جن میں میں اپنے آپ کو پیش کرتا ہوں وہ سب رب العالمین کے لئے ہیں۔

پھر اس کے بعد **محیای** کہتا ہے۔ یعنی یہ کہ میری زندگی بھی خدائے رب العالمین کے لئے ہے۔ زندگی کا مطلب کام کرنے کا زمانہ ہوتا ہے اور زندہ رہنے کے لئے انسان دوسری چیزوں کا محتاج ہے مثلاً جب ہم کہتے ہیں کہ فلاں شخص زندہ ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ باہر کی چیزوں کو لے کر اپنے اندر جذب کرتا ہے۔ درخت جانور اور انسان اسی وقت تک زندہ کہلاتے ہیں۔ جب تک کہ وہ باہر کی چیزوں کو اپنے اندر کھینچتے ہیں۔

تو **محیای** کہہ کر انسان یہ ظاہر کرتا ہے کہ میرا وہ عملی حصہ جس میں میں باہر سے دوسری چیزوں کو اپنے اندر جذب کرتا ہوں۔ وہ بھی خدا کے لئے ہے۔ پس جس طرح انسان اپنی جسمانی زندگی کے لئے پانی اور غذا کا محتاج ہے۔ اور ان کو اپنے اندر داخل کرتا ہے۔ اسی طرح اپنی روحانی زندگی کے لئے صلوٰۃ کا محتاج ہے۔ اس کی روحانی زندگی صلوٰۃ کے ذریعہ قائم ہوتی ہے۔

پھر نسکی کے مقابل مماتی بیان کیا یعنی بندہ کہتا ہے۔ میں اپنی جان بھی خدا کے ہی سپرد کرتا

ہوں۔

پس اس آیت میں روحانی ترقیات کا ایک گر بتایا گیا ہے اور یہ بیان کیا گیا ہے۔ انسان کی روحانی ترقیات اور تکمیل کے لئے ۳ دورے ضروری ہیں۔ پہلے تو یہ کہ انسان خدا سے وہ سامان طلب کرے جن کے ذریعہ وہ روحانی ترقی کر سکتا ہے اور یہ صلوٰۃ کے ساتھ حاصل ہو سکتی ہیں۔ انسان خدا کے ساتھ تعلق قائم ہونے کے لئے دعائیں کرے۔ پھر جب اس پر فضل ہونے شروع ہو جائیں تو نسکی کہے۔ یعنی جو کچھ خدا نے دیا۔ اسے خدا کے لئے ہی خرچ کرے۔ پھر اتنا ہی کافی نہ سمجھے۔ بلکہ محیای۔ اپنی زندگی کی ہر ایک حرکت خدا ہی کے لئے کر دے۔ اور پھر انتہا یہ کہ مماتی اپنی موت بھی خدا ہی کے لئے قرار دے اور خدا کے لئے موت قبول کرنے کے لئے بھی تیار رہے اور خدا کی مخلوق کو خدا تک پہنچانے کے لئے اپنی جان کی بھی پروانہ کرے۔ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے متعلق خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ **لعلک باخع نفسک الا یکونوا مومنین** (الشعراء ۴) کہ تجھے لوگوں سے اس قدر ہمدردی اور محبت ہے کہ تو اپنی جان ان کی خاطر ہلاک کر دے گا۔ ہر ایک مومن کو دوسرے انسانوں کی بہبودی اور ترقی کے لئے ایسا ہی کرنا چاہیئے پس اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ تمام ترقیات کے لئے دو قدم اٹھانے پڑتے ہیں۔ ایک یہ کہ پہلے انسان وہ سامان مہیا کرے جن کے ذریعہ اپنے اندر ترقی کرے۔ اور پھر بنی نوع انسان کی ہمدردی کے لئے سب کچھ خرچ کرے۔ یعنی ایک طرف سے لے اور دوسری طرف دیتا چلا جائے۔

اس مرتبہ پر پہنچا ہوا انسان سب کچھ رب العالمین کے لئے کرتا ہے۔ یعنی ایسی ہستی کے لئے جس سے تمام دنیا کی چیزیں فیض حاصل کر سکتی ہیں۔ اور جو ایسا سرچشمہ ہے۔ جس سے ہر ایک چیز سیراب ہوتی ہے۔ ایسی ہستی کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا۔ کہ میں اس کے لئے کوئی قربانی کیوں کروں کیونکہ کیوں کا سوال اپنی جنس کے متعلق پیدا ہوا کرتا ہے۔ اور مقابلہ اپنی جنس سے ہی کیا جاتا ہے قومیں ایک دوسرے سے مقابلہ کرتی ہیں۔ ایک قوم کوشش کرتی ہے کہ دوسری سے بڑھ جائے لیکن یہ کبھی نہیں ہوتا کہ کوئی قوم ہاتھیوں سے طاقت میں بڑھنے کے لئے کوشش کرے تو غیرت کا سوال تبھی پیدا ہوتا ہے۔ جب مقابل میں اپنی جنس ہو۔ لیکن جہاں جنس کا سوال نہ ہو۔ بلکہ اس سے بالا ہستی ہو وہاں مقابلہ کا خیال نہیں پیدا ہوتا۔ اس لئے فرمایا کہ ہر شخص کو یہ مدنظر ہونا چاہیئے کہ میری تمام قربانیاں اور عبادتیں اس خدا کے لئے ہیں۔ جو سارے جہانوں کا رب ہے۔ اور اس کے لئے کامل تذلل اور کامل اطاعت کرنے میں کوئی شرم کی بات نہیں۔ بلکہ فخر کی بات ہے۔

کوئی شخص زندہ نہیں رہ سکتا اور نہ ترقی کر سکتا ہے۔ جب تک اس سرچشمہ سے اس کا تعلق نہ ہو۔ جس سے اس کی حیات قائم اور وابستہ ہوتی ہے۔ اور یہ وابستگی دعا کے ذریعہ ہی ہو سکتی ہے۔ لیکن دعا قبولیت کے مقام پر نہیں پہنچ سکتی۔ جب تک کہ دعا کرنے والا قربانی کے لئے تیار نہ ہو۔ پھر روحانی حیات جو دعا اور قربانی کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ قائم نہیں رہ سکتی جب تک آگے ان فیوض کو انسان جاری نہ کرے۔ جو خدا سے اسے حاصل ہوتے ہیں۔ وہ شخص روحانیت میں ترقی نہیں کر سکتا۔ جو ان علوم اور ان طاقتوں کو خرچ نہیں کرتا۔ جو خدا تعالیٰ کی طرف سے اسے ملتی ہیں۔ کیونکہ خدا تعالیٰ قادر ہے اور وہ چاہتا ہے کہ جو کچھ میں دوں۔ اسے خرچ کیا جائے تا کہ میں اور دوں۔ لیکن جو انسان خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی انعام حاصل ہونے پر اسے دوسروں تک نہیں پہنچاتا۔ وہ گویا یہ سمجھتا ہے کہ خدا میں مجھے اور دینے کی قدرت نہیں ہے۔ اگر وہ جو مجھے ملا ہے۔ دے دوں گا تو میرے پاس کچھ نہیں رہے گا۔ ایسے انسان کو اور کیا مل سکتا ہے۔

غیر احمدی جو یہ کہا کرتے ہیں کہ خدا نے اسی مسیح کو مسلمانوں کی اصلاح کے لئے آسمان پر زندہ رکھا ہوا ہے۔ جو انیس سو سال ہوئے بنی اسرائیل میں آیا تھا۔ اور یہ اس کے قادر ہونے کا ثبوت ہے۔ اس پر ہمیشہ مجھے تعجب آیا کرتا ہے کہ یہ قادر ہونے کا کیونکر ثبوت ہے۔ قادر تو وہ ہوتا ہے۔ کہ جب چاہے کوئی چیز مہیا کرلے۔ نہ یہ کہ ایک چیز کو اس لئے رکھ چھوڑے کہ دوسرے وقت میں اسی سے کام لوں گا۔ دیکھو ایک امیر آدمی "جو تازہ کھانا پکوانے کی قدرت رکھتا ہے۔ وہ صبح کا کھانا شام کے لئے نہیں رکھ چھوڑتا بلکہ شام کو تازہ پکواتا ہے لیکن ایک غریب آدمی صبح کا بچا ہوا کھانا شام کو کھانے کے لئے سنبھال رکھتا ہے۔ پس اگر خدا تعالیٰ قادر ہے اور یقیناً ہے۔ تو اس کی قدرت کا یہ ثبوت ہے کہ ضرورت کے وقت نیا مسیح بھیج دے۔ نہ یہ کہ پہلے مسیح کو رکھ چھوڑے یہ خدا تعالیٰ کی شان کے خلاف ہے۔ اسی طرح یہ بھی خدا تعالیٰ کی شان کے خلاف ہے کہ کوئی سمجھ لے کہ جو کچھ ملا ہے اس سے زیادہ خدا نہیں دے سکتا۔

جو لوگ ناکام و نامراد رہتے ہیں۔ ان میں بہت سے تو اس وجہ سے ناکام رہتے ہیں کہ وہ خدا تعالیٰ سے وہ تعلق نہیں پیدا کرتے جو دعاؤں کے ذریعہ پیدا ہوتا ہے۔ وہ شکایت کرتے ہیں کہ ہمیں روحانیت حاصل نہیں ہوتی لیکن روحانیت حاصل ہونے کا طریق اختیار نہیں کرتے پھر بہت سے لوگ ہیں ۔ جن پر خدا کے فضل ہوتے ہیں۔ ان پر نئے علوم بھی کھلتے ہیں۔ لیکن چونکہ وہ آگے کچھ خرچ نہیں کرتے اس لئے وہ بھی اعلیٰ درجہ کی روحانیت حاصل نہیں کر سکتے۔

ایسے لوگوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ ہر ایک ترقی ہمیشہ خرچ کرنے سے ہوتی ہے۔ میں نے ایک دفعہ دعا کی قبولیت کے ایسے طریق بیان کئے۔ جو خاص سمجھے جاتے تھے۔ اور اگر کسی کو ان میں سے کوئی معلوم تھا تو اسے پوشیدہ رکھتا تھا۔ اس پر مجھے کہا گیا کہ آپ نے یہ کیا غضب کر دیا۔ راز کی باتیں ظاہر کر دیں۔ لیکن مجھے جس قدر طریق معلوم تھے وہ میں نے بیان کر دیئے۔ آخری جمعہ جس میں وہ طریق ختم ہوئے پڑھانے کے بعد گھر جا کر میں نے دو نفل پڑھے اور دعا کی۔ الٰہی جو کچھ دعا کے متعلق مجھے علم دیا گیا تھا۔ وہ میں نے سارے کا سارا بیان کر دیا۔ اب میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ کہ کیا قبولیت دعا کے کوئی اور بھی طریق ہیں یوں تو میرا ایمان ہے کہ ہوں گے۔ لیکن میں اپنے اطمینان کے لئے معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ یہ دعا کرنے کے بعد رکوع سے قیام کے وقفہ کے اندر اندر جو ایک آدھ منٹ کا تھا۔ مجھے دو نئے عظیم الشان گر سکھائے گئے۔ یہ نتیجہ تھا اس بات کا کہ مجھے پہلے جو علم دیا گیا۔ اسے میں نے خدا کے لئے خرچ کیا اگر میں یہ خیال کرتا کہ جو کچھ میں بیان کروں گا۔ وہ لوگوں کو معلوم ہونے سے پھر وہ میرے برابر ہو جائیں گے۔ تو وہ دو عظیم الشان طریق مجھے نہ معلوم ہوتے۔ پس خدا اس بات کو ناپسند کرتا ہے کہ کوئی شخص ان فیوض اور ان علوم کو اپنے اندر بند رکھے۔ جو اللہ تعالیٰ اس پر کھولے۔ کیونکہ اس سے وہ گویا خدا کے خزانے بند اور محدود سمجھتا ہے۔ اور پھر کچھ اور ملنے سے محروم رہتا ہے۔ لیکن اگر خرچ کرتا جائے تو اور اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کے خزانوں میں کبھی کمی نہیں آ سکتی۔ خدا تعالیٰ کے خزانہ کی تو یہ شان ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جیسے عظیم الشان انسان کو بھی حکم ہوتا ہے کہ یہ دعا کرو۔ **رب زدنی علماً** اے میرے رب میرے علم میں ترقی ہو۔ پس جب محمد رسول اللہ بھی علمی ترقی کے محتاج ہیں اور آپ جیسے انسان کو بھی اللہ تعالیٰ علمی ترقی کے حصول کے لئے دعا مانگنے کے واسطے فرماتا ہے تو اور کون ہے جسے ضرورت نہ ہو۔

تو کوئی شخص خدا کے فیضان کو نہیں حاصل کر سکتا۔ جب تک کہ وہ پہلے علوم کو خرچ نہ کرے اور جب وہ پہلے علوم کو خرچ کرتا ہے۔ تو نئے فیضان اسے حاصل ہوتے ہیں۔ اور نئے علوم کے دروازے اس پر کھولے جاتے ہیں اور اس طرح ایک طرف سے لینے اور دوسری طرف دینے کا چکر شروع ہو جاتا ہے۔ پس احباب کو چاہیئے۔ خدا تعالیٰ کی طرف جھکیں اور اس سے دعائیں کریں۔ پھر اس فیض کو جو دعاؤں کے بعد انہیں حاصل ہو۔ بنی نوع انسان کے لئے خرچ کریں۔ دیکھو اسی کنوئیں کا پانی صاف رہتا ہے۔ جس میں سے پانی نکلتا رہے۔ اگر تم خدا کے فیوض کو اپنے اندر بند کر

کے رکھ دو گے تو تمہیں اور ترقی حاصل نہ ہو گی۔ اگر تم ترقی کرنا چاہتے ہو تو اس گُر پر عمل کرو۔ جو اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ سے حاصل کرو۔ اور پھر اسی کی راہ میں خرچ کر دو۔ اس طرح تمہیں روحانی کمالات حاصل ہو سکیں گے۔

(الفضل ۸ جولائی ۱۹۲۴ء)